نظام ولایۃ الامر و نظم امر

مولانا السید تقی رضا برقعی

ایک حدیث جو صدوق نے ''عیون'' اور ''علل'' میں عبد الواحد بن محمد بن عبدوس نیشاپوری سے اور ابوالحسن علی بن محمد بن قتیبہ نیشاپوری اور فضل بن شاذان سے روایت کی ہے اسی حدیث کو انہوں نے ابومحمد جعفر بن نعیم بن شاذان اس کے چچا ابو عبد اللہ محمد بن شاذان اور فضل بن شاذان سے ''علل'' میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ خدا نے اولی الامر کیوں قرار دئے ہیں اور ان کی اطاعت کا کیوں حکم دیا ہے تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مخلوق کو ایک محدود حد پر ٹھہرایا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس حد سے تجاوز نہ کریں کیونکہ اس میں ان کے لئے فساد و خرابی ہے تو یہ امر ثابت نہیں رہ سکتا اور نہ ہی قائم رہ سکتا ہے جب تک ان پر اس میں کوئی امین قرار نہ دیا جائے کہ جو انہیں تعدی و تجاوز کرنے اور اس چیز میں داخل ہونے سے روکے جسے ان پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ اس طرح نہ ہو تو کوئی شخص اپنی لذت اور منفعت دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے نہیں چھوڑیگا پس ان پر ایک قیّم و نگراں مقرر کیا ہے جو انہیں فساد سے روکے گا اور ان میں حدود اور احکام کو قائم کرے گا۔ ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ہم کوئی فرقہ اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ جو دنیا میں باقی ہو اور اس نے قیّم اور رئیس کے ساتھ زندگی بسر نہ کی ہو کیونکہ ان کے لئے ان کے امر دین و دنیا میں اس کا وجود ضروری تھا پس خدائے حکیم کی حکمت میں جائز نہیں ہے کہ وہ مخلوق کو اس چیز کے بغیر چھوڑ دے کہ جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ اس کا ہونا ان کے لئے ضروری ہے ان کا قوام نہیں ہے مگر اسی کے ساتھ کہ جس کی معیت میں وہ دشمن سے جنگ کرسکیں اور اس کے ذریعے مال تقسیم کرسکیں اور وہ وہ ان کے لئے جمعہ قائم کرے اور ظالم کو ان پر ظلم کرنے سے روکے۔ ان میں سے دوسری علت یہ ہے کہ اگر ان کے لئے ایسا امام موجود نہ ہو جو قیّم امین اور محافظ ہو کہ جس کے سپرد یہ امامت ہو تو ملت مٹ جائے دین ختم ہوجائے سنت واحکام متغیر ہوجائیں، بدعت کرنے والے دین میں اضافے کریں، ملحد اس میں نقص وارد کریں اور اسے مسلمانوں پر مشتبہ کردیں کیونکہ ہم نے مخلوق کو

ناقص ومحتاج اور غیر کامل پایا ہے جبکہ ان میں اور ان کی خواہشات میں اختلاف اور ان کے اقسام وحالات مختلف ہیں پس اگر ان کے لئے قیّم اس چیز کا محافظ قرار نہ پائے جسے رسولؐ لے کر آئے ہیں تو وہ فاسد ہوجائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور شرائع وسنن واحکام اور ایمان میں تغیر آجاتا اور اس میں ساری مخلوق کے لئے فساد وخرابی ہوتی۔۱ امام نے جان اور عزت کی حفاظت اور اجتماع کو ہرج مرج میں محفوظ رکھنے ہی پر ولایت امر کی ضرورت پر زور نہیں دیا کیونکہ یہ تو وہ ضرورت ہے کہ جس کا لادینی سماج یاوحشی صحرائی گٹھ بندھن بھی محسوس کرسکتے ہیں مگر امام کا زور استدلال ،حفاظت دین اور امت کوتحریفات احکام ومعارف سے بچانا ہے۔۲ اس روایت کو ملا احمد نراقی نے ''عوائد الایام'' باب تحدید ولایة الحاکم ولایۃ فقیہ کو ثابت کرنے کے لئے بطور دلیل ،پیش کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ سائل کے سوال کا منشا ائمہ اثنا عشر کی امامت ہے ۔لیکن ان تعلیلات کا عموم جو کلام معصوم میں وارد ہوا ہے وہ تمام حالات میں جاری وساری ہوں گے۔فقہاء کرام کا بیان ہے کہ یہ ضروریات وحاجات ،غیبت کے زمانے میں بھی اسی طرح موجود ہوں گے جس طرح زمانہ حضور میں "بعین ماھی موجود تھا فی زمن الحضور'' اسی بنیاد پر امام معصوم کو چاہئے کہ نص خاص کے ذریعہ یا نصب عموم کے واسطے سے کچھ افراد امت کومعین کرے جن کے پاس ولایت اور حق حکومت ہو جو لوگوں کے سماجی وسیاسی مسائل کوحل کرسکے۔ یہ عقلی استدلال ہے۔ انسان کچھ اعمال شخصاً اور فرداً انجام دیتا ہے جس طرح کھانا یا پڑھنا ،جس میں کسی قیّم یانگہبان کی ضرورت نہیں ہوتی مگر کچھ کاموں کو اجتماع وجماعت کے ساتھ انجام دیا جاتاہے جیسے نماز جماعت میں امام کی ضرورت ہوتی ہے اور کاروان حج کے لئے امیر ومدیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ سماجی ضرورت کا سلسلہ تاریخ کا اجماعی واتفاقی مسئلہ ہے جس پر تمام عالم کی سیرۃ عقلائیہ ضروری گواہ ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ کے لئے ایک پرنسپل کی ضرورت ہے۔ گلوبلائزیشن کے ذریعہ چاہے سارا عالم ایک یا ایک قریہ چھوٹے سے گاؤں کی شکل میں آجائے تب بھی ایک رئیس کی ضرورت پڑے گی یہاں تک کہ صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے والے کے امور کی انجام دہی کے لئے سرپرست اور سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے چاہے وہ سربراہ انصاف پسند عاقل انسان ہو یا پھر ایک خودسر استبداد پسند حاکم وقت۔

امام کے وجود کی حکمت اور تین فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۔ احکام اسلام کا اجراء اور ان کے ذریعہ تعدی تجاوز سے روکنا ۔۲۔دینی ودنیوی زندگی کے ضروری احکام۔۳۔احکام کوتحریف ونیست

ونابود ہونے سے بچانا اور انکا نفاذ کرنا، یہ تینوں علل ومقاصد غیبت کے زمانے میں نہیں ہیں، کیا غیبت میں لوگ ملائکہ ہوجائیں گے یا پھر تعمیم امامت وولایت کے تحت سب امام قیم وولی مانے جاتے ہیں اورنظم امور کی ضرورت نہیں ہے اورظلم کو عام کرنے میں تعاون کیاجائے۔دین اسلام میں امور مملکت سیرۂ عقلائیہ کی بنیاد پر استوار ہوں گے۔اورفرد اصلح وافقہ کا انتخاب ایک وجدانی امر ہے، نظام ولایۃ الامر کی خصوصیت یہ ہے کہ الأهم فالاهم والاكمل فالاكمل' اور قاعدۃ التدریج کے محاسبات سے رب کائنات کے نظام تکوینی وتشریعی میں عدل الٰہی کارفرماہے پھر اس کے احکام کی پیغام رسانی میں شرط عصمت ، اوراس کے بعد اس پیغام کے اجراء ومحافظت کی شکل امامت میں منصوص ومعصوم ہونے کی شرط ، یہاں تک کہ اس امامت کی نیابت جو ولایت اکمل فرد فقیہ کی صورت میں ہوگی اس میں بھی علم فقاہت کے ساتھ ساتھ عدالت فرد کی شرط ہوگی۔اسی قاعدہ عقلی وعقلائی تدریج کے تحت افقہ جامع الشرائط ، فقیہ غیر اعلم کی نوبت آئے گی اور اس کے بھی نہ ہونے کی صورت عدول المومنین کی باری ہوگی اور ان کے معدوم ہونے کی صورت عامّۃ المومنین اور بالتدریج فسّاق المومنین تک نوبت پہونچ جائے گی۔

''نہج البلاغہ'' کے چالیسویں خطبہ میں نقل ہوا کہ لما سمع قولهم، لا حكم الاّ للهجس وقت امیر المومنین نے خوارج کے نعرہ ''لاحكم الاّ لله '' کو سنا تو آپ نے فرمایا ''كلمة حقّ يراد بها الباطل ، نعم انّه لاحكم الاّ لله ولكن هو لا يقولون الاّ امرة الاّ لله وانّه لا بدّ للنّاس من اميرٍ برٍّ أوفاجر....'' کلمہ حق ہے کہ جس سے مراد باطل ہے، جی ہاں ! حکم کا حق خدا کے سوا کسی دوسرے کونہیں، لیکن جولوگ یہ کہتے ہیں کہ امارت وحکومت کا حق خدا کے علاوہ کسی کونہیں ہے مگر امت کے لئے امیر کا ہوناضروری ہے وہ چاہے نیک ہو یا برا ....'' ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ نے تحکیم کے سلسلے ان کا قول سنا تو فرمایا ''حكم الله انتظر فيكم..... میں تمہارے بارے میں حکم خدا کا منتظر ہوں، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر حکومت نیک ہوتو اس میں متقی وپرہیزگار اچھے عمل کرتے ہیں اور بری حکومت ہوتو اس میں بدبخت جی بھر کے جو چاہے کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کا زمانہ ختم ہوجائے اورموت انہیں پالے'' اور مبرد نے ''الکامل'' میں روایت کی ہے کہ ان کے جواب میں آپ نے فرمایا ''کلمہ تو عدل کا ہے مگرظلم وجور کے معنی میں ہے' یہ کہتے ہیں کہ حکومت وامارۃ صرف اللہ کے لئے ہے مگر حکومت چاہے بری ہو یا اچھی اس سے دوری وعلیحدگی کے لئے کوئی چارۂ کا

رنہیں ہے'' ابن ابی الحدید المعتزلی نے'' شرح نہج البلاغہ'' میں، اسی قول امیر کے تحت کہ'' لابدّ للنّاس من امیر برٍّاو فاجر '' کہا'' اس قول امیر پر بہترین شاہد وہ فرمان پیغمبرؐ اسلام جس میں آپ نے فرمایا انّ اللّٰہ لیؤیّد ہذا الدّین بالرّجل الفاجر'' یعنی یہ دین قدر محکم واستوار ہے کہ شخص فاجر بھی اگر حکومت کو ہتھیالے تو اس دین کی اصالت واصولیت میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ اس کے بعد معتزلی کہتا ہے''معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ شرعاً امامت کا انعقاد مکلّفین پرواجب ہے۔ قدماء معتزلہ میں سے ابوبکر اصم معتزلی سے منقول ہے کہ حکومت وریاست کی ضرورت اس وقت نہیں رہتی جب امت ایک دوسرے سے انصاف کرے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے'' جب کہ امامیہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے'' امامیہ کہتے ہیں کہ من باب وجوب اللطف امامت وریاست کا التزام انعقاد ہے عدل الٰہی کا تقاضہ ہے اور اس کا وجوب عقلی ہے جبکہ معتزلہ کے کچھ مشائخ جیسے جاحظ بصری اور شیخ ابو الحسین کہتے ہیں کہ عقل ریاست وحکومت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے'' مگر معتزلی اپنی بات بڑھاتے ہوئے کہتا ہے۔ ظاہر کلام حضرت امیر'' لابدّللنّاس من امیر...'' قول معتزلہ کی تائید کرتا ہے نہ کہ عقیدۂ امامیہ کی'' مگر معتزلی کے بیان پر چند ملاحظات وارد ہوتے ہیں! ابوبکر اصم کا یہ قول کہ عدم ظلم اور وجود انصاف کی صورت میں امامت وریاست کی ضرورت نہیں ہے، اسی بات کو آگے چل کر اشتراکیت کے بانی مارکس نے اپنایا اور کہا'' جب نوع بشر کے لئے ترقی یافتہ قانون محقق ہوجائے اور ان کے درمیان سے طبقاتی اختلافات ختم ہوجائیں تو بھی حکومت کی ضرورت نہیں ہے، مگر اس نظریہ کا فساد اور خرابی زمینی تجربہ سے واضح ہے۔

جب کہ'' کنز العمّال'' میں بیہقی کے واسطے سے اور ابن ابی شیبہ کی کتاب'' المصنف'' میں ابوالبختری سے روایت ہے، لوگوں نے امیر المومنین سے سوال کیا! کہ یہ نیک تو ٹھیک ہے لیکن برے حاکم سے اصلاح کیسے ہوسکتی ہے، تو آپ نے فرمایا مومن عمل کرسکتا ہے اور فاجر دیر تک فائدہ اٹھاتا رہتا ہے اور اللہ ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچادے گا۔ تمہارے راستے مامون رہیں گے، تمہارے بازار برقرار رہیں گے، تمہارا مال تقسیم ہوتا رہے گا۔ وہ تمہارے دشمن سے جنگ کرے گا اور قوی سے ضعیف کا حق لیاجائے گا'' امیر المومنینؑ کے فرمان میں کہ'' اس کی حکومت میں مؤمن عمل کرتاہے اور کافر لذت حاصل کرتاہے'' یہ احتمال بھی ہے کہ مؤمن حکومت فاجر کی طرف عامل ہوکر رعیت میں عدل وانصاف کرے جیسا کہ ہارون رشید کی حکومت میں علی بن یقطین کے لئے ایسا اتفاق

ہوا۔

دوسرا نظریہ ہے کہ یہ انشاء حکم نہیں بلکہ اخبار عن الواقع کی ایک صورت ہے حتیٰ یستریح برّویستراح من فاجر یعنی لادینی حکومت کو وقتاً اور ایک مدّت تک برداشت کیا جاسکتا ہے ۔ جبکہ اس میں عمل مومن کے لئے آزادی اور اقامہ تائید دین کی گنجائش موجود ہو۔

خوارج کا یہ نعرہ ''لاحکم الاّ للّٰہ '' جسے انہوں نے صفین میں اپنایا تھا اور یہ ان کے حوالے سے باقی رہا، اس کلمہ کا حق ہونا اس جہت سے ہے کہ جب پروردگار کسی چیز کا ارادہ کرے تو وہ قہراً واقع ہوگی، اس کو قضا وقدر کا حکم سمجھ کر رد نہیں کیا جاسکتا ، چونکہ یہ قول خوارج قرآنی آیت سے مأخوذ ہے اسی لئے اس حکم قرآن سے مراد ''حکم تکوینی'' اور حکم تشریعی کی نظر سے اس کی تحلیل کریں تو کہنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمام احکام کا شارع ہے اور برحق امیر کا حکم اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری پروردگار کے حکم کی طرف پلٹتی ہے کیونکہ وہ امیر احکام الٰہیہ کو جزئی موارد پر عملاً منطبق کرتا ہے۔ اور یہ بات کہ انکی مراد کلمہ حق سے باطل تھی تو چونکہ ان کا مقصد حکمین کی وکالت تفویضی اور ان کا تقرر اور امیر المومنینؑ کی امارت وحکومت کا انکار تھا، جبکہ لاحکم الاّ للّٰہ'' کے تحت یہ دونوں موارد نہیں آتے ہیں۔

ابن ابی الحدید نے معتزلہ کے حوالے سے اس بات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیرؑ کا کلام اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے حاکم نیک یا پھر چاہے تو فاجر حاکم کو اختیار کرسکتا ہے ، اگر یہ بات صحیح ہے تو کیوں امیر المومنینؑ نے ایک حاکم فاجر کو ہٹانے کے لئے اٹھارہ مہینے تک جنگ لڑی تھی ،اسی لئے تو حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ''برّ او فاجر...سے مراد برے اور فاجر کی حکومت کا جواز نہیں ہے بلکہ حکم ارشادی وعقلی کی بنیاد پر اس کا ساجی ہرج مرج سے مقدم کرنا ہے، ابن میثم بحرانی کی'' شرح نہج البلاغہ'' میں حضور اکرم سے حدیث نقل ہوئی ہے کہ'' امام جائر فتنہ وفساد سے بہتر ہے''

اور امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے'' ظالم وغاصب والی اور حاکم ہمیشہ رہنے والے فتنہ سے بہتر ہے'' اور'' بحارالانوار'' میں کنز کراجکی کے واسطے سے امیر المومنینؑ سے مروی ہے درندہ شیر ظالم بادشاہ سے بہتر ہے جبکہ ظالم حاکم ہمیشہ کے فتنے سے بہتر ہے'' انہی بنیادوں پر ابن ابی الحدید کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ گویا حضرت امیرؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کھانا ضرور کھائے، چاہے حلال غذا

کھائے۔ یا مردار کھائے، کیا حقیقتاً ہم کلام امیرؑ سے یہ استنباط کریں گے کہ مردار کھانا ہمیشہ حلال ہوگا، بعض فقہاء کرام نے اس معضلہ کو حل کرنے کے لئے دو تجویزیں سامنے رکھی ہیں۔ پہلی تجویز یہ ہے کہ امارہ حاکم فاجر کو احکام ثانویہ میں سے قرار دیا جائے اور صورت کے لئے مخصوص قرار دیا جائے کہ جب حاکم عادل موجود نہ ہو تو امام جائر کی حکومت کو قبول کرلیا جائے، اس نظریہ کے طرفدار حضرت آیت اللہ محمد حسین طہرانی ہیں جس کا ذکر انہوں نے ولایت فقیہ، ج ۲،ص ۲۵۸ میں کیا ہے۔ کلمۂ حق اس معنی میں ہے کہ حکم ذاتی مطلق صرف خداوند عالم سے مخصوص ہے جبکہ مراد باطل اس لئے ہے کہ اگر افراد کی ظاہری حکومت ہی سے انکار کردیا جائے تو اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں ہرج ومرج لازم آئے گا اور پھر انتظام میں فساد اور گڑبڑی پیش آئے گی۔

کلام امیر علیہ السلام سے تینوں نظریات کی رد ہوتی ہے (۱) خوارج جو اصل حکمرانی اشخاص کے قائل نہیں ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ سماج میں کوئی انتظامی طاقت ہی نہ رہے (۲) مارکس ازم کا رد جو آئیڈیل کمیونسٹ سماج سے حکومت کا خاتمہ چاہتے ہیں کیونکہ وہ حکومت کو طبقات کی کشمکش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور اساس حکومت کو حاکم طبقہ کے منافع کا محافظ سمجھتے ہیں۔ اور جب طبقات کا خاتمہ ہوجائے گا تو حکومت کی ضرورت بھی نہ رہے گی، جب کہ یہ سنگین غلط فہمی ہے کیونکہ کمیونسٹوں کی نظر میں یہ کشمکش صرف اقتصاد تک محدود ہے، جبکہ لوگوں کی زندگی کی بنیاد صرف اقتصاد ہی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ایک مخصوص عقیدہ وآئیڈیا لوجی پر قائم ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہو اور انسان کو مقصد حیات کی طرف گامزن رہنے میں مدومعاون ہو اور اسلام کی نظر میں اقتصاد کو مقصد حیات کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے کہ بلکہ یہ زندگی بسر کرنے کا وسیلہ ضرور ہے۔

☆

حوالے:

۱۔علل الشرائع الاحکام للشیع الصدوق

۲۔ ولایت فقیہ،ص۴۸